(۹۰)

سورۂ بلد

مکہ مکرمہ میں نازل ہوا اور اس میں بیس آیتیں ہیں

سورۂ ماقبل سے ربط اس سورت شریفہ کا ماقبل سے ربط و مناسبت اس طرح ہے کہ سورت ماقبل میں مال کی محبت کرنے والے اور بلا لحاظ استحقاق وراثت یعنی مُردوں کا مال کھا جانے کی دھن رکھنے والے اور مسکین کے کھانے کے لئے دوسروں کو توجہ تک نہ دلانے والے کی مذمت بیان فرمائی گئی تھی۔ اب اس سورت شریفہ میں یہ بیان فرمایا جارہا ہے کہ دولت مندوں اور مالداروں کو کن اوصاف وخصائل کا حامل ہونا چاہیئے تاکہ وہی مال جو آخرت میں وبال جان بن رہا تھا ذریعہ نجات بن سکے۔ نیز سورت ماقبل کے اخیر میں نفس مطمئنہ کا بیان ہوا تھا۔ یہاں ان امور کا ذکر فرمایا جارہا ہے جس سے اطمینان نفس حاصل ہو۔ وباللہ التوفیق۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بیحد مہربان نہایت رحم والا ہے"

لَاۤ اُقۡسِمُ بِھٰذَا الۡبَلَدِ ۙ وَاَنۡتَ حِلٌّۢ بِھٰذَا الۡبَلَدِ ۙ

90-3
90-4
وَوَالِدٍ وَّمَا وَلَدَ ۙ لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْ كَبَدٍ ؕ مجھے قسم ہے اس
شہر کی، کہ آپ فروکش ہیں اس شہر میں، اور قسم ہے جننے باپ کی، اور قسم ہے اسکی اولاد
کی، بے شک ہم نے پیدا کیا انسان کو مشقت میں رہتا۔

ھذا البلد کی تفسیر | ھذا البلد سے بلد الحرام حرمت والا شہر مکہ معظمہ مراد ہے

اس مبارک و مقدس شہر کی قسم اس بنا پر ہے کہ آپ کے جد اعلیٰ حضرت سیدنا ابراہیم خلیل اللہ علی نبینا وعلیہ الصلاۃ والسلام کی دعا کے مطابق اللہ سبحانہ نے اس کو حرم آمن بنایا جہاں انسان تو انسان بلکہ جمادات نباتات اور حیوانات بھی مامون و مصئون ہیں۔ جہاں آپ کے جد امجد حضرت سیدنا اسمٰعیل ذبیح اللہ علی نبینا وعلیہ الصلاۃ والسلام کی نشو و نما ہوی اور قیامت تک کے لئے وہیں آرام فرما ہیں۔ جہاں اللہ سبحانہ کا گھر ہے جو اہل مشرق، مغرب اور ساری دنیائے اسلام کا قبلہ و کعبہ ہے۔ عظیم الشان رکن اسلام حج وہیں ادا ہوتا ہے جس سے عمر بھر کے گناہوں کا کفارہ ہو جاتا ہے اور یہاں کی ایک نیکی ایک لاکھ نیکیوں کے برابر اور ایک برائی بھی ایک لاکھ برائیوں کے برابر ہے۔ اور آسمان پر بیت المعمور اسی کے محاذیر واقع ہے جس کا طواف روزانہ ستر ہزار فرشتے کرتے ہیں اور جب ایک دفعہ طواف کر لیتے ہیں تو دوبارہ طواف کی نوبت نہیں آنے پاتی۔ بلکہ دوسرے ہی فرشتے آتے ہیں۔ نیز وہاں صفا، مروہ، زمزم، مقام ابراہیم

حجرِ اسود وغیرہ آیات بینات اور شعائر اللہ ہیں۔ غور کرو کہ بلد الحرام کی اللہ سبحانہٗ کے نزدیک کیسی فضیلت و منزلت ہے؟ یہ وہ مبارک مقامات ہیں جہاں دعائیں قبول ہوتی ہیں۔

اَنتَ حِلٌّ کی تفسیر وَاَنْتَ حِلٌّۢ بِھٰذَا الْبَلَدِ۔ درحالیکہ آپ فروکش ہیں اور رونق افروز ہیں اس شہر میں " یعنی اصل یہ ہے کہ آپ کی ولادت باسعادت ازل سے یہاں مقدر تھی اور آپ کی پاک زندگی کے (۵۳) سال یہیں بسر ہوئے۔ جس میں ولادت، رضاعت، طفولیت، شباب اور کہولت کے منازل طے کرتے ہوئے شیخوخت میں قدم رکھ چکے۔ مکہ مکرمہ کو شرف ذاتی جو حاصل تھا وہ تو تھا ہی اس پر مستزاد یہ کہ آپ کے قدوم میمنت لزوم کا شرف بھی اس کو حاصل رہا تو اس کی فضیلت کا کیا ٹھکانا، اور اس کی عظمت کی کیا حد ہو سکتی ہے۔ یہی سبب ہے کہ اس بلد الحرام کی نہ صرف قسم کھائی گئی بلکہ قسم کی وجہ بھی ظاہر فرما دی گئی ہے کہ آپ کا نزول اجلال دراصل باعث ہے اس قسم کا اور ایسی موکد قسم کے ذریعہ اس مقدس شہر کا اعزاز بڑھانے کا۔ ؎

اے کعبہ را زیمن قدوم تو صد شرف — وے مروہ را ز مقدم پاک تو صد صفا
بطحا ز نور طلعت تو یافتہ فروغ — یثرب ز خاک پائے تو با رونق و نوا

کفارِ مکہ پر طنز و تعریض نیز قریش مکہ کے حال پر اس ضمن میں تعریض اور طنز فرمایا جارہا ہے کہ اس مقدس شہر میں جہاں جمادات، نباتات، حیوانات کا احترام قائم ہے۔ اور ہر چیز مامون و مصئون ہے تعجب ہے کہ آپ کی ذات اقدس کے ساتھ ہر طرح کی ایذا رسانی روا رکھی جارہی ہے۔ یعنی حرمت تو رہی در کنار، بلکہ آپ کیساتھ ہر قسم کی بدسلوکی اور ایذارسانی کو حلال قرار دے رکھا ہے۔ اس مقدس شہر کو آپکے وجود باجود سے جو شرف حاصل ہے اس کا اقتضا تو یہ تھا کہ آپ کی قدر کی جاتی مگر ان جاہلوں کو یہ کیا سوجھی ہے کہ آپ کو یہاں سے نکالنے یا معاذ اللہ قتل کر دینے کے منصوبے بنا رہے ہیں۔ چنانچہ حضرت شرجیل بن سعد اس آیہ کریمہ کی تفسیر میں فرماتے ہیں:۔ یحرمون ان یقتلوا بها الصید و یعضدوا بها شجرۃ و یستحلّون اخراجك و قتالك۔ (سعید بن منصور، ابن المنذر) ان کفار مکہ کو دیکھئے کہ وہ شکار کی جان لینے اور درخت کے کاٹ ڈالنے کو تو حرام مانتے ہیں اور اے نبی اکرم! آپ کو یہاں سے جلا وطن کرنے بلکہ قتل کر ڈالنے تک کو حلال جانتے ہیں" یہ تفسیر اس بنا پر ہے کہ انت حلّ سے خواہ حلول بمعنی نزول مراد لیا جائے یا حِلّ بمعنی حلال قرار دیا جائے جو حرام کی ضد ہے۔

حِلٌّ کی دوسری تفسیر دوسری تفسیر وہ ہے جو جمہور مفسرین سے منقول ہے کہ

حِلٌّ سے مراد یہ ہے کہ آپ اس بلد حرام کو حلال قرار دینے والے ہیں۔ یعنی حکم الٰہی سے ایک وقت ایسا آنے والا ہے کہ ان کفار مکہ کو کیفر کردار تک پہنچانے کے لئے بلد حرام کو حلال قرار دیا جائے گا اور اس کے احترام کے احکام تھوڑی دیر کے لئے برخاست کر دئے جائیں گے۔ حضرت عطاء بن یسار فرماتے ہیں:۔

انّ اللّٰہ حرّم مکۃ یوم خلق السموات والارض فھی حرام الی ان تقوم الساعۃ لم تحلّ لبشر الا لرسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم ساعۃ من نھار ولا یختلی خلاھا ولا یعضد عضاھھا ولا ینفر صیدھا ولا تحلّ لقطتھا الا لمعرّف۔ (عبد بن حمید، ابن جریر، ابن ابی حاتم) اللہ سبحانہ تعالیٰ نے مکہ مکرمہ کو اسی دن سے قابلِ احترام قرار دیا جس دن کہ آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا۔ لہٰذا وہ تا ساعت قیامت قابل احترام ہے۔ کسی فرد بشر کے لئے اس کی پابندی برخاست نہیں کی گئی سوائے حضرت رسول دوجہاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کہ دن کی ایک گھڑی کی حد تک آپ کے لئے اس کا احترام برخاست کیا گیا اور حلال قرار دیا گیا (کہ اس ایک ساعت میں آپ جو چاہیں کریں مکہ مکرمہ کا احترام یہ ہے کہ وہاں کی ایک سبز بوٹی بھی نہ توڑی جائے اور نہ ترو تازہ شاخ کاٹ لیجائے

اور نہ وہاں کے کسی شکار کو چھیڑا جائے اور نہ وہاں کی کوئی گری پڑی چیز اٹھائی جائے مگر تشہیر کرنے والے کے لئے اٹھانا جائز ہے۔ (تاکہ اس کے مالک تک اس کو پہنچا دیا جائے) حضرت امام شافعیؒ فرماتے ہیں:- یکرہ نقل تراب الحرم واخراج الحجارۃ منہ لتعلق حرمۃ الحرم بھا ولا یکرہ نقل ماء زمزم للتبرک۔ حرم شریف کی خاک کو وہاں سے کسی اور جگہ منتقل کرنا اور وہاں کے پتھر کو نکال کر باہر لیجانا بھی مکروہ و ناجائز ہے کیونکہ حرم شریف کی حرمت وہاں کی خاک پاک اور پتھروں سے بھی متعلق ہے۔ ہاں آب زمزم کو تبرکاً منتقل کیا جا سکتا ہے۔"

حضور انور کی ایک خصوصیت بہرحال وَاَنْتَ حِلٌّ بِهٰذَا الْبَلَدِ کے ذریعہ حضور نبی محترم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قبل از قبل یہ اطلاع فرمادی گئی کہ ایک دن ایسا آنیوالا ہے کہ گھڑی بھر کے لئے مکہ مکرمہ کی حرمت اور یہ پابندیاں آپ کی خاطر برخاست کردی جائیں گی۔ اس ساعت میں آپ جو چاہیں عمل فرمائیں آپ کے لئے حلال قطعی ہے چنانچہ یہ پیشین گوئی ۸ھ میں فتح مکہ کے موقع پر پوری ہوئی۔ بلد الحرام میں معمولی سی خونریزی ہوی۔ اور ابن خطل ناجی اشد کافر جو مسلمان ہوکر مرتد ہو چکا تھا اور بارگاہ رسالت میں گستاخانہ طرز اختیار کیا ہوا تھا کعبۃ اللہ شریف کے پردے میں لپٹا ہوا پایا گیا وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم اقدس سے اسی حالت میں حضرت ابو برزہ اسلمی رضی کے ہاتھ سے مارا گیا۔ اس کے بعد پھر سے سابقہ احترام قیامت تک کے لئے قائم ہو گیا۔ اب کسی کے لئے احترام شکنی جائز نہیں ہو سکتی۔

ووالد وما ولد کی تفسیر وَوَالِدٍ وَّمَا وَلَدَ۔ اور قسم ہے جنے باپ کی اور قسم ہے اس اولاد کی جس کو اس نے جنا" مفسرین کرام نے یہاں وَوَالِدٍ سے حضرت ابوالبشر آدم علی نبینا وعلیہ الصلاۃ والسلام اور وَمَا وَلَدَ سے آپ کی ذریت مراد لی ہے۔ اور بعضوں نے حضرت آدم ثانی نوح اور ان کی اولاد اور بعض نے حضرت ابوالانبیاء سیدنا ابراہیم علیہ السلام اور آپکی تمام اولاد یا مخصوص اولاد یعنی انبیاء علیہم السلام

یا اخص اولاد بلاواسطہ حضرت اسماعیل علیہ السلام یا بالواسطہ حضور رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مراد لی ہے۔ اس اعتبار سے حضورؐ کی ذات اقدس کی قسم اس سورت شریفہ میں دو جگہ وارد ہوئی ہے جس سے مزید تشریف کا اظہار مقصود ہے۔ واللہ اعلم۔ یا یہ بھی ہو سکتا ہے کہ والد سے ہر جننے والا باپ اور ما ولد سے اس کی اولاد مراد لی جائے اور اس کو خطاب عام تصور کیا جائے۔

فی کبد کی تفسیر لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْ كَبَدٍ ۔ بے شک پیدا کیا ہم نے انسان کو مشقت میں " یہ آیہ کریمہ مذکورۃ الصدر تمام قسموں کا جواب ہے۔ گویا مذکورہ قسموں سے اس جواب قسم کی اہمیت کا اظہار مقصود ہے۔ حضرت حبر الامہ سیدنا ابن عباسؓ فرماتے ہیں:۔ فی شدۃ حملہ وولادتہ ورضاعتہ وفطامہ ومعاشہ وحیاتہ وموتہ۔ (مظہری) بے شک ہم نے انسان کو پیدا کیا تکلیف میں اس کے حمل کے اور ولادت کے، اور ایام رضاعت کے، اور اس کی دودھ چھڑائی کے۔ اور ضروریات زندگی کی فراہمی کے، اور اس کے جینے اور مرنے کے۔" انسان کی آفرینش سے لے کر اس کے یہاں سے رخصت ہونے تک کے احوال پر نظر کیجئے تو معلوم ہو گا کہ زندگی کے ہر دور میں ایک نہ ایک شدت، اور ایک نہ ایک مشقت سے سابقہ رہتا ہے۔ ؎

اگر دنیا نباشد دردمندیم دگر باشد بفکرش پائے بندیم

بچے کو ایک ایک دانت نکلتا ہے تو کیسی تکلیف رہتی ہے۔ پھر بڑھاپے میں جب وہی دانت گرنے لگتے ہیں تو کیا رنگ دکھاتے ہیں۔ اسی پر ہر تغیر کو قیاس کر لیجئے۔

کبد کی دوسری تفسیر صاحب تفسیر مظہری فرماتے ہیں کہ بار امانت مراد لینا چاہیے جس کے تحمل سے آسمان وزمین اور بڑے بڑے پہاڑوں نے انکار کیا تھا۔ اور ظلوم وجہول انسان نے اس بار عظیم کو اٹھا لیا۔ اب اس تحمل امانت کے بموجب اس عہد کو پورا کیا تو کامیاب رہا اور اگر اس میثاق کو توڑ دیا تو اس کی زندگی ناکام رہی۔ رہے زندگی بھر کے تکالیف جو اوپر مذکور ہوئے' ان میں حیوانات بھی شریک ہیں۔ کچھ انسان کے ساتھ ان کی خصوصیت نہیں۔ البتہ یوں توجیہ کی جاسکتی ہے کہ حیوانات کو عقل نہیں اور انسان عاقل ہے اس لئے خصوصیت کے ساتھ اس کو متوجہ کیا گیا۔ بہرحال اس آیہ کریمہ میں حضور رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تسلی دی جارہی ہے کہ احکام الٰہی کی تبلیغ میں جو تکالیف شاقہ آپ برداشت فرمارہے ہیں یہ کوئی نئی بات نہیں انسان دنیا میں آیا ہے تو ایسی مشقتوں سے اس کو سابقہ رہیگا۔ نبوت ورسالت کا بار نہ ہوتا تو بار امانت جس کا نوع انسان نے تحمل کیا ہے اس سلسلہ میں کوئی نہ کوئی مشقت برداشت کرنی پڑتی۔ اسی امر کے مدنظر حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

فرمایا کرتے :۔ نحن معاشر الانبیاء اشد الناس بلاء الامثل فالامثل۔
ہم گروہ انبیا ہیں۔ سب لوگوں کے مقابلہ میں ہمارا امتحان سخت تر ہے پھر جو امتحانات
اور آزمائشوں میں ہم سے جتنی جتنی مماثلت رکھتا ہے وہ اتنا ہی ہم سے قریب تر
اور مماثل تر ہے"۔

الانسان کی تفسیر بعض مفسرین کرام نے الانسان سے ابوالاشدین اسید بن
کلدہ مراد لیا ہے جو کفار مکہ میں بڑا پہلوان مانا جاتا تھا جس کا کچھ ذکر سورہ قیامہ
کی تفسیر میں آیہ کریمہ علیھا تسعۃ عشر کے تحت آچکا ہے اس کی طاقت کا یہ حال
تھا کہ وہ ایک چمڑے پر کھڑا ہو جاتا اور دوسروں سے کہتا کہ یہ چمڑا میرے پاؤں تلے
سے نکال لو۔ بڑے بڑے طاقتور اس چمڑے کو کھینچتے مگر اسید بن کلدہ کو اپنی جگہ سے
نہ ہٹا سکتے اور نہ چمڑے کو اس کے پاؤں کے نیچے سے نکال سکتے۔ شدت کشمکش سے
وہ چمڑا پھٹ کر ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتا مگر جو حصہ اس کے پاؤں کے نیچے رہتا وہ اس طرح
برقرار و قائم رہتا۔ اس صورت میں تفسیر یہ ہوگی کہ اس شخص کو جو رات دن جسمانی
ورزش اور تن پروری میں لگا ہوا ہے ہم نے ایسی ہی بے نتیجہ محنت میں ڈال رکھا ہے
تجربہ شاہد ہے کہ جب وقت آن پڑتا ہے تو عامۃ الناس ہی کچھ کام کر دکھاتے ہیں۔ رہے
یہ تن پرور جو سیروں دودھ پی جاتے اور کئی آدمیوں کی غذا اکیلے چٹ کر جاتے ہیں

دوسرے ان کی صورت ہی دیکھتے رہ جاتے ہیں۔ الا ماشاء اللہ۔

فی کبد کی تیسری تفسیر

حضرت ابن عباسؓ سے فی کبد کی تفسیر یہ بھی مروی ہے :۔ فی اعتدال وانتصاب۔ (ابن جریرؒ طبرانی) یعنی ہم نے انسان کو معتدل الاعضاء اور سیدھا کھڑا ہونے والا بنایا ہے" دوسرے جاندار جھکے ہوئے بنائے گئے ہیں، تمام حیوانات میں ایک انسان ہی ایسا ہے جو راست قامت ہے۔ یہ اشارہ ہے اس جانب کہ اس کو ہر کام میں راستی اختیار کرنی چاہیئے کہ یہی شیوۂ انسانیت ہے۔ اس اعتبار سے یہ آیۂ کریمہ ارشاد باری تعالیٰ لقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم کے ہم معنی ہوگی کہ ہم نے انسان کو بہترین قامت اور ٹھیک انداز پر پیدا کیا ہے"

أَيَحْسَبُ أَن لَّن يَقْدِرَ عَلَيْهِ أَحَدٌ ۝ يَقُولُ أَهْلَكْتُ مَالًا لُّبَدًا ۝ أَيَحْسَبُ أَن لَّمْ يَرَهُ أَحَدٌ ۝

کیا وہ انسان خیال کرتا ہے کہ قابو نہ پاسکیگا اس پر کوئی، کہتا ہے کہ برباد کیا میں نے مال ڈھیروں کیا وہ خیال کرتا ہے کہ نہ دیکھ سکا اس کو کوئی بھی؟

زور آور کا پندار اور مالدار کا گھمنڈ

یعنی انسان جب طرح طرح کی مشقتوں میں گھرا ہوا ہے اور اس احاطہ سے نکل نہیں سکتا تو اس کا اقتضا یہ تھا کہ وہ اپنی

زندگی کا محتاط طریقہ اختیار کرتا۔ ہر امر میں سمجھ بوجھ سے کام لیتا مطیع و فرماں بردار بنا رہتا، نافرمانی اور سرکشی سے دور رہتا، نیکی کی راہ دکھائی جاتی یا نصیحت کا کلمہ سُن پاتا تو اس کی قدر کرتا۔ مگر مشاہدہ بالکل اس کے برعکس ہے۔ کوئی زور آور ہے تو اس کا پندار یہ ہے کہ اس کا مدمقابل کوئی نہیں اور نہ اس پر کسی کا بس چل سکتا ہے۔ حالانکہ یہ اس کی خام خیالی ہے۔ اللہ سبحانہ تعالیٰ جس کے قبضہ قدرت میں زمین و آسمان اور ساری کائنات کی زمام ہے اس کے آگے کسی انسان ضعیف البنیان پر قابو پانا کیا مشکل ہے ؟ اور کوئی مالدار ہے تو اپنے تمول کے گھمنڈ میں یہ کہتا ہے کہ میں نے ڈھیروں مال برباد کر دیا۔

ولید بن مغیرہ اور حارث بن نوفل کے احوال

ولید بن مغیرہ قریش میں بہت مالدار شخص تھا۔ تھا تو بخیل، مگر حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس کو سخت عداوت تھی۔ اس عداوت کے جوش میں بہت کچھ خرچ کر دیتا۔ اور فخریہ بیان کرتا کہ میں نے اتنا روپیہ ان کی وجہ سے برباد کر دیا ہے اور ایسی لاف زنی کو اپنا بڑا کارنامہ بتلاتا تھا۔ اسی طرح حارث بن نوفل نامی ایک مالدار شخص تھا۔ کچھ غلطیاں سرزد ہوتیں تو وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت مبارک میں حاضر ہوتا اور اپنی غلطیوں کو پیش کرتا، آپ اس کا کچھ کفارہ تجویز فرماتے۔ وہ

آپ کی ہدایت کے مطابق کفارہ دے دیا کرتا۔ اور آخر پر کہتا کہ ان کے پیچھے میں نے بہت کچھ برباد کیا ہے۔ صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ اسی قماش کے اور بھی لوگ تھے جو بڑے مبالغہ کے ساتھ شیخی بازی کیا کرتے۔ ممکن ہے کہ یہ آیات کریمہ ان تمام لوگوں کے جواب میں نازل ہوئی ہوں جن میں ارشاد باری ہو رہا ہے کہ انسان کا کیا یہ خیال ہے کہ اس کو کسی نے نہیں دیکھا؟ اس جواب کے کئی پہلو ہیں مثلاً کسی نے خرچ ہی نہیں کیا یا تھوڑا خرچ کیا اور بہت خرچ کرنا بیان کیا۔ یا یہ کہ حضور اکرم کی مخالفت میں خرچ کیا اور انکار کیا کہ خرچ نہیں کیا۔ ان سب کا جواب یوں دیا جا رہا ہے کہ انسان کیا یہ خیال کرتا ہے کہ اس کو کسی نے دیکھا نہیں؟ اللہ سبحانہ اسکو خوب دیکھتا اور جانتا ہے۔ اس کی نظر سے کوئی چھپ نہیں سکتا۔ پھر اس کی مزید وضاحت آگے آرہی ہے۔

اَلَمْ نَجْعَلْ لَّهٗ عَيْنَيْنِ ۙ وَلِسَانًا وَّشَفَتَيْنِ ۙ وَهَدَيْنٰهُ النَّجْدَيْنِ ۚ کیا ہم نے نہیں بنائیں اس کی دو آنکھیں اور زبان اور دو ہونٹ اور دکھلا دیں اس کو دو راہیں۔

الم نجعل له عينين کی تفسیر

ارشاد ہو رہا ہے:۔ اَلَمْ نَجْعَلْ لَّهٗ عَيْنَيْنِ۔ کیا ہم نے اس انسان کی دو آنکھیں نہیں بنائیں؟

یعنی ضرور بنائی ہیں۔ جب اللہ سبحانہ نے اپنے فضل و کرم سے انسان کو دو آنکھیں دی ہیں تاکہ ان کے ذریعہ گرد و پیش کی چیزوں کو دیکھ سکے تو اس سے یہ بات خود بخود سمجھ میں آگئی کہ دوسروں کو بینا بنانے والا خود بھی خوب دیکھنے والا ہے۔ ایسا دیکھنے والا کہ اس کی نظیر نہیں مل سکتی۔ ہمارے دیکھنے کا حال یہ ہے کہ ہماری آنکھ کھلی ہوئی ہو۔ اور دکھائی دینے والی چیز ہماری آنکھوں کے سامنے ہو۔ درمیان کوئی چیز حائل نہ ہو۔ آنکھ کی روشنی کے علاوہ دیکھی جانے والی چیز بھی روشنی میں ہو۔ تاریکی میں ہو تو پھر وہ چیز نظر نہیں آسکتی۔ اللہ سبحانہ کو ان تمام چیزوں کی ضرورت ہی نہیں نہ اس کو ہماری طرح آنکھ کی ضرورت ہے۔ نہ اس کے کھلے رہنے کی، نہ دکھائی دینے والی چیز سامنے ہونے کی ضرورت ہے نہ اس کی نظر کے درمیان کوئی شئے حائل ہو سکتی ہے۔ نہ تاریکی اس کے لئے مانع ہو سکتی ہے۔

ولسانا و شفتین کی تفسیر | وَلِسَانًا وَّشَفَتَيْنِ۔ اور (کیا نہیں بنائی ہم نے اس کے بولنے کے لئے) زبان اور دو ہونٹ؟ یعنی بے شک زبان بھی بنائی اور دو ہونٹ بھی دئے۔ بولنے اور کھانے پینے میں ان دونوں اعضاء سے بڑی مدد ملتی ہے۔ بولنے کا دارومدار اگرچہ زبان پر ہے مگر ہونٹوں کی مدد کے بغیر اس کی تکمیل نہیں ہو سکتی۔ رہا کھانا پینا اس کی تکمیل بھی زبان اور ہونٹوں کی

مدد کے بغیر نہیں ہوسکتی۔ ان کی مدد لازمی ہے۔ حضرت مکحولؒ فرماتے ہیں کہ حضور رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ۔ یقول اللہ یا ابن آدم قد انعمت علیك نعما عظاما لا تحصی عدھا ولا تطیق شکرھا وان مما انعمت علیك ان جعلت لك عینین تنظر بھما وجعلت لھما غطاء فانظر بعینیك فیما احللت لك فان رأیت ما حرمت علیك فاطبق علیھما غطاءھما وجعلت لك لسانا وجعلت لہ غلافا فانطق بما امرتك واحللت لك فان عرض لك ما حرمت علیك فاغلق علیك لسانك ...... ابن آدم انك لا تحمل سخطی ولا تستطیع انتقامی۔

(ابن عساکر) اللہ سبحانہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ اے ابن آدم! میں نے تجھے بڑی بڑی نعمتوں سے سرفراز کیا ہے جن کو تو شمار تک نہیں کرسکتا اور نہ ان کا شکر بجالانے کی تو طاقت رکھ سکتا ہے۔ منجملہ ان کے میں نے تجھے دو آنکھیں دی ہیں جن سے تو دیکھتا ہے اور ان دونوں پر ایک ایک اوٹ لگادیا ہے لہذا ان آنکھوں سے ان چیزوں کو دیکھا کر جن کا دیکھنا میں نے تیرے حق میں حلال قرار دیا ہے۔ اور اگر کبھی ایسی چیز کے دیکھنے کی نوبت آئے جس کو میں نے حرام ٹھہرایا ہے تو آنکھوں کو اوٹ سے بند کرلے۔ اسی طرح میں نے تجھے زبان دی ہے اور اس پر بھی ایک

غلاف چڑھا دیا ہے۔ لہٰذا زبان سے وہی بول جس کا میں نے تجھے حکم دیا ہے یا جس کا بولنا حلال قرار دیا ہے۔ اور اگر کبھی حرام بات چیت کی نوبت آن پہنچے تو (ہونٹوں کا) غلاف اس پر چڑھا دیا کر۔ (تاکہ حرام سے تو محفوظ رہ سکے) اے ابن آدم! تو میرے غضب کا بار برداشت نہیں کر سکتا۔ اور نہ میرے انتقام کی تاب لا سکتا ہے"۔

ھدینٰہ النجدین کی تفسیر وَهَدَيْنَاهُ النَّجْدَيْنِ۔ اور ہم نے انسان کو دونوں راہیں دکھادیں"۔ یعنی خیر و شر یا ہدایت و ضلالت کی راہ دکھادی۔ اور تمیز کرادی کہ اس میں اے انسان! تیری بھلائی ہے اور اگر تو دوسری راہ اختیار کریگا تو وہ تیرے حق میں برا ہوگا۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ وھدینٰہ النجدین کی تفسیر میں فرماتے ہیں:۔ سبیل الخیر والشر۔ (عبدالرزاق، فریابی، عبد بن حمید، ابن جریر، ابن المنذر، ابن ابی حاتم، طبرانی، حاکم بروایت صحیحہ) راہ خیر کی اور شر کی۔ یعنی بھلائی کی اور برائی کی"۔ اور حضرت سیدنا ابن عباسؓ فرماتے ہیں:۔ الھدیٰ والضلالۃ (ابن جریر، ابن المنذر، ابن ابی حاتم) یعنی یہ ہدایت کا راستہ ہے اور وہ گمراہی کا"۔ یہ رہنمائی اجمالی طور پر ہر انسان کو نور عقل و فہم کی بدولت حاصل ہوتی ہے اور فطرت انسانی خود اس جانب رہبری کرتی ہے۔ پھر آسمانی کتابوں اور پیغمبروں کی تعلیمات کے ذریعہ تفصیلی علم کرایا جاتا ہے۔ حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں:۔ ذکر لنا ان النبی

صلی اللہ علیہ وسلم کان یقول ایھا الناس انما ھما نجدان نجد الخیر و نجد الشر فما جعل نجد الشر احب الیکم من نجد الخیر۔ (عبدالرزاق، عبد بن حمید، ابن جریر، ابن مردویہ) ہم سے بیان کیا گیا ہے کہ حضور نبی دوجہاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (آیہ کریمہ وھدینٰہ النجدین کی تفسیر میں) اکثر ارشاد فرمایا کرتے تھے کہ لوگو! وہ صرف دو ہی راستے ہیں۔ ایک راستہ خیر کا اور دوسرا راستہ شر کا۔ کچھ شر کے راستے کو تمہارے نزدیک خیر کے راستہ سے زیادہ ترمحبوب اور پسندیدہ نہیں بنایا ہے" کہ خواہ مخواہ خیر کی راہ چھوڑ کر شر کی راہ اختیار کرو بلکہ دونوں کو مساوی اور بلکہ خیر کا پلہ جھکا ہوا ہی دکھایا گیا ہے تاکہ خیر کی طرف مائل رہو اور شر سے دور رہو۔

نجدین کی دوسری تفسیر حضرت ابن عباسؓ سے نجدین کی تفسیر ایک اور بھی مروی ہے۔ چنانچہ آپ نے ھدینٰہ النجدین کی تفسیر میں فرمایا:۔ الثدیین۔ (عبدالرزاق، عبد بن حمید، ابن ابی حاتم) اس روایت کی رو سے تفسیر یوں ہوگی کہ ہم نے انسان کو اپنی ماں کی پستان سے دودھ پینے کی راہ سجھائی" نومولود کو اس کے قیام و بقا اور تحصیل غذا کی یہ صورت دکھانا بھی اللہ سبحانہ کے کمال قدرت کی دلیل ہے کہ ہمارے سوا ایسی ننھی سی جان کو دودھ پینے کا طریقہ سجھانا اور کس کا کام ہو سکتا ہے؟ اور یہ حالت ہر کس و ناکس پر گزر چکی ہے تو

اے انسان! کیا ہمارے اس احسان کو بھی یاد نہیں رکھتا اور ہماری قدرت کا قائل نہیں ہوتا؟

0-1 فَلَا اقْتَحَمَ الْعَقَبَةَ ۝ وَمَا أَدْرٰىكَ مَا الْعَقَبَةُ ۝ فَكُّ 11
90 رَقَبَةٍ ۝ أَوْ إِطْعٰمٌ فِي يَوْمٍ ذِي مَسْغَبَةٍ ۝ يَتِيمًا ذَا مَقْرَبَةٍ ۝ 12
0-1 أَوْ مِسْكِينًا ذَا مَتْرَبَةٍ ۝ پھر کیوں نہیں گھس پڑا گھاٹی میں، اور آپ کو کیا معلوم 14
کہ گھاٹی کیا ہے، چھڑانا ہے گردن کا یا کھلانا ہے بھوک کے دن میں، یتیم کو جو قرابت والا ہے 6
یا محتاج کو جو خاک پر پڑا ہوا ہے۔

عقبہ کی تفسیر یعنی اللہ سبحانہ تعالیٰ نے اپنے فضل وکرم سے پیدا کیا، صاحب اولاد بنایا، قوی اور زور آور بنایا، دولت سے مالا مال کیا، ہر طرح کا امن وچین نصیب فرمایا آنکھیں دیں، بولنے کے لئے زبان دی، ہونٹ دئے۔ ہر نوع کی صلاحیتیں بخشیں تو ان تمام نعمتوں سے سرفراز ہو کر آخرت کی گھاٹی اور دشوار گزار مقامات کو طے کرنا چاہئے تھا۔ ان نعمتوں کے ذریعہ یہ مرحلہ بآسانی طے ہو سکتا تھا اس کو طے کرنے کی فکر کرنی چاہئے تھی۔ وہ گھاٹی کیا ہے۔ ہم اس کی وضاحت بھی کئے دیتے ہیں۔ وہ دو اور صرف دو باتیں ہیں۔ اتنی زیادہ نعمتوں سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ہمارے بتائے ہوئے یہ دو کام کر لینے چنداں دشوار نہیں۔ اگر وہ دو کام یا ان میں سے ایک کو بھی انجام دیا

جاتا تو تمہارا نام ان لوگوں کی فہرست میں لکھ دیا جاتا جو ان سب نعمتوں کا شکر ادا کرنے والے ہیں۔ ایک کام یہ کہ کسی کی گردن، کسی کی غلامی میں پھنسی ہوئی ہے تو اس کو غلامی سے چھڑا کر اس کی فطری آزادی کو بحال کر دینا۔ حضرت ابو ہریرہؓ راوی ہیں کہ حضور رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: من اعتق رقبۃ مومنۃ اعتق اللہ بکل عضو منہا عضوا منہ من النار (ابن ابی شیبہ امام احمدؒ بخاری مسلم ابن مردویہ) جس کسی نے ایک مسلمان کی گردن غلامی سے آزاد کرا دی تو اللہ سبحانہ اسکے ہر عضو کے بدلے آزاد کنندہ کے ہر عضو کو دوزخ سے آزادی بخشتا ہے۔" فی زمانناً اگر غلامی باقی نہیں رہی تو کوئی کسی کا مدیون ہوگا اور ادائے دین اسکی طاقت سے باہر ہوگا آپ اسکی کلی یا جزوی مدد کر دیتے۔ یا کسی کے ذمہ تاوان یا ڈنڈ یا اور کسی نوع کی بھرپائی عاید ہو تو اس کو اس سے نجات دلا دیتے۔ خواہ کچھ مال دیکر یا اپنی سعی و سفارش کے ذریعہ یا اپنی قوت بازو اور ہاتھ پاؤں کی مدد سے اس کا کام آپ انجام دیتے تو ہم آپ سے خوش ہو جاتے اور ہماری خوشنودی تمہاری نجات کی ضامن ہوتی۔ دوسرا کام یہ کسی محتاج کو کم از کم کھانا ہی کھلا دیتے ایسے دنوں میں جبکہ قحط سالی یا شدت گرانی یا بے روزگاری وغیرہ عام ہو۔ وہ محتاج خواہ کوئی آپ کے خاندان یا قرابت والوں کا یتیم ہو جس کی نابالغی ہی کے زمانہ میں اس کے باپ کا سایہ اس کے سر سے اٹھ چکا ہو یا کوئی اور نادار ہو جو بے سہارا ہو کر بھوک کی وجہ سے نڈھال ہو کر مٹی پر پڑا ہوا ہو

یا غریب الوطن مسافر ہو۔ اس میں طالبان علوم دینیہ بھی داخل ہیں جو تحصیل علم دین کیلئے اپنے وطن چھوڑ کر پردیس میں علم حاصل کر رہے ہوں۔ یہ دوسری صورت پہلی کے مقابلے میں سہل اور بہت ہی آسان ہے۔ اگر تم یتیم پر ترس کھا کر یا محتاج پر رحم کر کے اس کے کھانے کی سہولت پیدا کر دیتے خواہ مستقل یا عارضی یا اس کو روزگار ہی سے لگا دیتے تو اس ذریعہ سے بھی ہماری خوشنودی حاصل کر سکتے تھے اور یہی تمہاری نجات کا ذریعہ ہوتی۔ اتنا معمولی سا کام تمہارے لئے کچھ دشوار نہ تھا۔ ایسا کیوں نہ کیا؟ یا کم از کم اس کو دلاسا دیدیتے اور آئندہ کی امید دلاتے مثلاً یوں کہتے کہ تم تنخواہ پر ہم سے ملنا۔ یا فصل وغیرہ کے موقع پر آنا۔

ثُمَّ كَانَ مِنَ الَّذِينَ آمَنُوا وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ وَتَوَاصَوْا بِالْمَرْحَمَةِ ۝ أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ الْمَيْمَنَةِ ۝ پھر ہوتا وہ ایمان والوں میں جو تاکید کرتے ہیں آپس میں صبر کی اور تاکید کرتے ہیں رحم کھانے کی' وہ لوگ ہیں بڑے نصیب والے۔"

قبولیت عمل کیلئے ایمان شرط ہے

ہاں اس گھاٹی کو طے کرنے کے ساتھ ساتھ وہ اللہ سبحانہ پر اور اسکی کتابوں اور رسولوں پر ایمان لاتا تو اس کا بیڑا پار ہوتا کیونکہ اعمال صالحہ کی قبولیت موقوف و منحصر ہے ایمان پر۔ ایمان کے بغیر کوئی عمل مقبول نہیں کافر دنیا میں رہ کر کتنے ہی اعمال صالحہ کرتا ہے اس کے اعمال کا کوئی وزن نہیں کیونکہ کافر خدا کا باغی ہے۔ اور باغی کے اچھے کام کی کوئی قدر و قیمت نہیں مقبولیت اس کے

نصیب ہی میں نہیں جب تک کہ وہ بغاوت سے توبہ نہ کرلے۔ ایمان والوں کی صفت
یہ ہے کہ وہ طاعات کی بجاآوری اور معصیت سے دور رہنے میں جو مشکلات انسان کو
درپیش ہوتے ہیں ان پر صبر و تحمل سے کام لینے کی آپس میں تاکید کرتے رہتے ہیں اور
ہر قوی و توانا' اپنے ضعفاء اور ناتوانوں پر رحم کھانے کی ترغیب دیتے رہتے ہیں۔ اور ایسے
لوگ بڑے میمون و مبارک ہیں۔ جن کے داہنے ہاتھ میں نامہ اعمال دئے جائیں گے اور
جن کو قیامت میں عرش اعظم کی داہنی جانب اسکے سایہ میں جگہ دیجائیگی۔ اللہم اجعلنا منہم آمین

0-19 19. وَالَّذِينَ كَفَرُوا بِآيَاتِنَا هُمْ أَصْحَابُ الْمَشْأَمَةِ 20. عَلَيْهِمْ
0-20 نَارٌ مُؤْصَدَةٌ

۱۹ و ۲۰۔ اور جن لوگوں نے ہماری آیتوں کا انکار کیا وہ بائیں ہاتھ والے ہیں (بد بخت)

ع ۲۰
۱۵

ان پر دوزخ' جسکے دروازے (ہر طرف سے) بند ہوں گے۔"

کفار کا انجام رہا دوسرا گروہ جو اللہ سبحانہ کی مذکورہ نعمتوں سے متمتع ہو کر بھی
ان کا شکر ادا نہ کیا یعنی ان کی طاقت و توانائی' مال و دولت' آنکھ' زبان ہونٹ'
اور دیگر صلاحیتوں کو مخلوق خدا' جو عیال اللہ ہیں اور وہ خود انھیں کے بنی نوع ہیں
اور ان میں بھی بعض ان کے اہل قرابت ہیں' ان کی کسی طرح دستگیری کر کے نہ قرابت کا
حق ادا کیا اور نہ کسی مسکین' مسافر' محتاج و نادار' طالب علم کی خدمت کر کے اللہ سبحانہ
کی نعمتوں کا شکر ادا کیا بلکہ اللہ سبحانہ اور اس کی اتاری ہوئی کتابوں اور بھیجے ہوئے

رسولوں کا منکر بنا رہا تو ایسے لوگ در اصل نہایت ہی کم بخت اور بد نصیب ہیں جو دو روزہ دنیا کی فانی نعمتوں پر اتراتے رہے۔ درحالیکہ وہ ان نعمتوں کے ذریعہ ابدالآباد قائم و برقرار رہنے والی بے شمار نعمتوں کے حق دار ہو سکتے تھے تو اس سے بڑھ کر بدبختی اور کیا ہو سکتی ہے؟ قیامت کے دن نامۂ اعمال ان کے بائیں ہاتھ میں دیا جائیگا۔ جو علامت ہوگی اس امر کی کہ ان پر دوزخ کا عذاب ہمیشہ ہمیشہ کے لئے مسلط ہو چکا ہے۔ ان کو دوزخ میں جھونک کر اس کے دروازے ہر سمت سے بند کر دئے جائیں گے تاکہ وہ اس سے کبھی نکل نہ سکیں اور وہ اسی میں دم بخت ہو کر اپنے کئے کی سزا بھگتتے رہیں۔ کبھی بھی ان کو دوزخ کے عذاب سے چھٹکارا نصیب نہ ہوگا۔ وہ اس میں واویلا کرتے رہیں گے مگر ان کی کچھ بھی شنوائی نہ ہوگی جیسا کہ اللہ سبحانہ کے احکام اس کی آیات اور اس کے رسولوں کی ہدایات اور نصیحتوں کو ماننے سے مدۃ العمر دنیا میں منکر بنے ہوئے تھے۔ العیاذ باللہ والحفیظ الامان۔

الحمد للہ والمنۃ کہ سورۂ بلد کی تفسیر ختم ہوئی۔ وصلی اللہ تعالیٰ وسلم علی خیر خلقہ سیدنا محمد سید المرسلین وعلیٰ آلہ واصحابہ وازواجہ واولیاء امتہ وعلماء ملتہ اجمعین۔